سلوٹیں چادر کی

اُردو شعری مجموعہ

تمثیلہ لطیف

ادب سماج انسانیت پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چادر کی سلوٹیں

اُردو شعری مجموعہ

شاعرہ

تمثیلہ لطیف

ASI Publications Pakistan

Committee Chowk Murree Road Rawalpindi 0312-5400326

جملہ حقوق بحقِ شاعرہ محفوظ ہیں

کتاب کی اشاعت ادارے نے نیک نیتی سے مصنف کے مہیا کردہ مواد کے مطابق کی ہے۔
قارئین یا ادارہ کا مواد سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
ناشر کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کتاب کا کوئی بھی حصہ شائع، نقل یا ترمیم نہیں کیا جا سکتا۔
بصورت دیگر ادارہ قانونی کاروائی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

قانونی مشیر : ملک مزمل تھہیم (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

نام کتاب	:	سلوٹیں چادر کی
شاعرہ	:	تمثیلہ لطیف
ناشر	:	شہزاد افق
کتابت	:	تحریم فاطمہ
سالِ اشاعت	:	2027ء
قیمت	:	1000

آئی۔ایس۔بی۔این

ISBN : 978-627-524-000-0

ادب سماج انسانیت پبلی کیشنز

عظیم پلازہ کمیٹی چوک نزد میٹرو اسٹیشن مری روڈ راولپنڈی 051-5184707

www.adabsamajinsaniat.com asipak0786@gmail.com

انتساب

اہل ذوق کے نام

جو شخص جوانی میں مطالعے کا شوقین ہو؛ اُس کا مستقبل آفتابِ صبح کی مانند روشن ہوتا ہے۔

(چینی کہاوت)

فہرست

تمثیلہ لطیف پر لکھنا میرے لئے باعث اعزاز ہے	شعاعِ نور	۰۹
تمثیلہ لطیف فن و شخصیت و فکری مقام	مظفر احمد مظفر	۱۹
جو بدر و ماہ تاب اک عکس ہے روئے محمدؐ کا	نعت	۲۸
قصہِ کربلا		۲۹
جب بھی رُت سردیوں کی آتی ہے		۳۰
سردرتوں میں، چاند اکیلا رہتا ہے		۳۲
جو اک ناداں کو، دانا بولتا ہے		۳۴
مانگ کر تھک جائے گا بالفرض، گر تقدیر سے		۳۶
عدو کے ہاتھ میں خنجر دغا کے ہوتے ہیں		۳۸
مصحف جیساماں کا چہرہ لگتا ہے		۴۰
میرا چاند لوٹا دو	نظم	۴۲
ہم بھکاری، رسول کے در کے		۴۵
یہ دور، پاس جو رُت ماتمی نظر آئی		۴۷
یہ بچے شوقِ جدت میں فسانے بھول جائیں گے		۴۹
تجھے یہ عشق جب رسوا کرے گا		۵۱
یہ رسم تو، سرِ بازارِ مصر عام نہیں		۵۳
نجومی لوگ (نظم)		۵۵
ایک دو روز کی اداسی نہیں		۵۷
یہ آدھے ادھورے سے تحائف بھلا کب تک	قطعہ	۵۹

کھلونے عجب شکل کے بن رہے ہیں	قطعہ	۶۰
شفق گوں، آپ کا چہرہ بہت ہے		۶۱
لطف آتا تھا کبھی پیار بھری باتوں کا		۶۳
تجھ میں خوئے وفا نہیں باقی		۶۵
نظر میں خواب پھر پتھرا گئے کیا		۶۷
محبت کا پائے تخت	نظم	۶۹
خوش نما حوالہ	نظم	۷۱
عافیت، سحر گر سے پوچھتے ہیں		۷۴
پٹختا ہے ساحل پہ دریا سر، اپنا	قطعہ	۷۶
دولتِ علم سے، انجان سمجھتے ہیں مجھے		۷۷
کل کسے بچھڑنا ہے۔۔۔۔	نظم	۷۹
مجھ کو اپنے جسم کا سایہ ملا		۸۲
تجھ سے بہتر تو کبھی بخت، ہمارے نہیں تھے		۸۴
حال اندر کا، کہتے آنسو		۸۶
یہ رسم تو، سرِ بازارِ مصر عام نہیں		۸۸
سیر اب جسم و جان کو کرنے چلا ہے کیا		۹۰
سنتے ہیں نوائے دل، کہتے ہیں سخن پارہ		۹۲
ساری بستی کو یہ عادل کے سوا، معلوم ہے		۹۴
میں اسکے دل میں۔۔۔۔	نظم	۹۶
بے نوا تھا مگر وہ نوا دے گیا		۹۸
دیکھ کر حسن کا معیار بہت بولتے ہیں		۱۰۰
محبت میں کوئی تو معجزہ یارب، دکھانا تھا		۱۰۲
کھو چکا ہے جب سے تُو شاہین! پندارِ خودی		۱۰۴

۞	بہت کھٹکتی ہے ہم کو اجی! کھٹکتی ہے	۱۰۶
۞	ہر وقت مری خاک کو مرنے کی پڑی ہے	۱۰۸
۞	تھی اِدھر چشمِ نمیدہ، اک مجسم داستاں	۱۱۰
۞	دور، تم سے جو ہو رہی ہوں میں	۱۱۲
۞	خواب زاروں میں کبھی چھوڑ آئیں ماں کی لوریاں	۱۱۴
۞	تجھ سے پیغام رسانی کا وسیلہ تو نہ تھا	۱۱۶
۞	کچھ تو تعبیر، خواب سے نکلے	۱۱۸
۞	تو جہاں چھوڑ کر گیا اے دوست	۱۲۰
۞	زخم، گزرے ہوئے موسم کا پتہ دیتے ہیں	۱۲۲
۞	ہم سے یہ درد بھری عمر گزاری نہ گئی	۱۲۴
۞	قدموں میں راستہ ہے تو روڑا بھی آئے گا	۱۲۶
۞	دل کو مایوسیوں نے گھیرا تھا	۱۲۸
۞	یہ، اناؤں کا مسئلہ ہی نہیں	۱۳۰
۞	جملہ کوئی ایک اس کا، جب شعر میں ڈھلتا ہے	۱۳۲
۞	بھولی بھالی چاہت نظم	۱۳۴
۞	کہیں دھندلے نہ ہو جائیں تمہارے عکس خوابوں میں قطعہ	۱۳۸
۞	دیدار پہ دل ہو گا نہ تیار، لگی شرط	۱۳۹
۞	بیٹھے بٹھائے جانے یہ کیا ہو گیا مجھے	۱۴۱
۞	فتنہ سامانیوں میں پیکر کی	۱۴۳
۞	ایک مدت سے میں مسکرائی نہیں	۱۴۵
۞	عجب خیال یہ مجھ کو سجھائی دیتا ہے	۱۴۷
۞	بس گئیں آنکھوں میں آنکھیں اُس کی	۱۴۹

- حالِ دل شعر میں لاتے ہوئے رو پڑتی ہوں ۱۵۱
- اب طاقچے کی دیپ کو خواہش نہیں رہ ۱۵۳
- ظلم یوں حدِّ انتہا نہ بنے ۱۵۵
- کوئی میرا بھی ہوتا جو کبھی کوئی دعا دیتا ۱۵۷
- ادبی و تخلیقی اثاثے (مصنفہ) ۱۵۹

تمثیلہ لطیف پر لکھنا

میرے لئے باعث اعزاز ہے

ہے
اس کی سحر انگیز غزلیں پڑھ کر
یوں لگتا ہے جیسے دل کی جھیل میں چاند اتر آیا ہو

چاند جسے چھونے کی تمنا ہر دل کو ہوا کرتی ہے
مگر وہ ہونٹوں پر سراب رکھ کر رخصت ہو جاتا ہے

سراب سے پانی نکلنے کی خواہش لئے یہ شعر
لاحاصل
کو چھوتا ہوا اپنی ضد پر قائم
ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے

کچھ تو تعبیر خواب سے نکلے
جیسے پانی سراب سے نکلے

یہ غزل کاش کے محور کے گرد رقص کرتی دل کے
گہرے جذبوں کی عکاس ہے

نجانے ختم کہاں ہو مرا ادھورا پن
سکون دل بھی تو بس عارضی ملا ہے مجھے

تمثیلہ کی شاعری میں الم ایک ایسے معجزے کی
طرح لگتا ہے
جس کا نتیجہ ایک بڑی منزل ہے

وہ آئنے کے سامنے سنورتی ہوئی
اپنے محبوب کے ساتھ فطری مناظر اور جذباتی
کیفیت کو
قید کرنے کی کوشش کرتی ہے
اس کی غزلوں میں داخلی کشمکش اور نفسیاتی
گہرائی کا امتزاج قاری کو یوں دیوانہ بنا دیتا ہے جیسے
جھیل میں چاند کا عکس

وہ اپنے کرب کی منازل کو تنہا طے کرتی ہوئی کہتی ہے

تو چاہتا ہے بچھڑنا تو غم نہ کر میرا
ترے بغیر بھی جینے کا حوصلہ ہے مجھے
اس کی خودداری اسے بڑھ کر اپنی تحویل میں لیتی ہوئی

آگے بڑھ جاتی ہے
نارسائی کا دکھ بے شک بہت بڑا ہے دل کے ریشے
دھیرے دھیرے کٹتے جاتے ہیں
مگر اس کی استقامت اسے ہارنے نہیں دیتی

سانجھے دکھ حوالوں کے محتاج ہی کہاں
ہم دونوں کے آنگن میں شام کا سورج اترتا ہے
اور ایک سا دکھ دل میں بھر جاتا ہے

ذات کی پرتوں میں چمکتے دکھ
منظر پر ستاروں کی طرح چمکتے ہیں
ادھر آنکھ کا کشکول بھرتا ہے
اور ادھر اوراق بھیگنے لگتے ہیں

تمثیلہ لطیف کی شاعری بند درزوں سے آتی ہوئی روشنی جیسی لگتی ہے

دل کی پرتوں سے چمکتے جگنو اٹھاتی
دل کے در پر دستک دیتی ہوئی
سماعت کو مجبور کرتی ہوئی
کہ اسے سنا جائے
سوچ کو مائل کرتی ہوئی

اور احساس کو صدا دیتی ہوئی
تمثیلہ تم میری ادبی دوست ہو
تمھاری شاعری پڑھ کر تو یوں لگتا ہے کہ تم میری ہی
ذات کا
کوئی بھولا ہوا حصہ ہو
جسے تم نے لکھ کر مجھے واپس لوٹایا ہو
نہ جانے تم کب میرے ساتھ آ کے بیٹھ گئی نجانے کب ہمارے طویل مکالمے
ہمیں ایک دوسرے کے نزدیک تر لے آئے

لکھتے لکھتے میں نجانے کس کیفیت کے زیر اثر تھی
کہ پل بھر کو یوں لگا تم میرے سامنے ہو
ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ تمثیلہ کی شاعری صرف
ایک مرکز کے گرد ہی نہیں گھومتی
اس کی شاعری کے موضوعات
میں محبت نارسائی کے علاوہ
خودی، معاشرہ, اجنبیت، ہجرت جیسے موضوع بھی شامل ہیں
وہ لمحہ لمحہ اپنی ذات کا طواف کرتی ہوئی خاموش زائرہ ہے
اس کے اشعار نہ چیختے ہیں نہ گلہ کرتے ہیں
مگر دیر تک دل کی سطح پر لرزتے رہتے ہیں
وہ عورت کے مقام کو اجاگر کرتی ہے

وہ نہ صرف معاشرے سے سوال کرتی ہے بلکہ اپنے اندر کے فاصلوں کو طے کرتی ہوئی

اپنے باطن میں جھانکتی ہوئی جواب لاتی ہے

میں ترے گاؤں میں دو روز نہ ٹھہری پھر بھی

ناپسندیدہ سی مہمان سمجھتے ہیں مجھے

محبت میں مقام کی ناپائیداری پر یوں دردناک شعر کہنا قاری کے اندر بھی درد کا طوفان لاتا ہے

تمثیلہ کی شاعری میں خودی کوئی نعرہ نہیں احتجاج نہیں

بلکہ خود شناسی کا بیان ہے

وہ اپنے اندر کی تہیں پل پل کھولتی ہے

اس وقت بھی جب سورج اس کی چوکھٹ پر آب و تاب سے چمکتا ہے اور اس کے آنگن میں گلاب کھلتے ہیں

اور تب بھی جب شام اس کے آنگن میں ساعت ہجر بن کر اتر آتی ہے

اور تب بھی جب شبنم اس کے

آنگن میں کھلے گلابوں کو معطر کرتی بھگو ڈالتی ہے

جہاں وصل گلاب کی ضرورت ہے

وہاں ہجر بھی اس کا تمنائی ہے

وہ مرے دل سے یوں ہوا رخصت

جیسے خوشبو گلاب سے نکلے

اب محبت کبھی نہیں کرنی
بس مری جاں عذاب سے نکلے
چاک پر گھومتا دل کیسے کٹتا ہے
تمثیلہ لطیف کا یہ شعر
قاری کا دل دھڑکا گیا
خواب دیکھنا کسے اچھا نہیں لگتا
خوابوں کی تعبیر تو فقط اشعار ہیں
جو اپنا آپ نارسائی کے حوالے کرتے ہوئے کتنی نظموں غزلوں کو ترتیب دے ڈالتے ہیں
دولت علم سے انجان سمجھتے ہیں مجھے
اور کبھی صاحب عرفان سمجھتے ہیں مجھے
کشمکش کا اظہار جو اپنے اندر بے چینی سے کچھ کھوجتا ہوا
اپنی پہچان کے لئے خاموشی سے لڑتا ہوا ایک ایسا جذبہ جو اشعار کی صورت میں ڈھلتا ہوا
درد جو چپ چاپ جی لیا جائے
میری ادبی دوست کی شاعری
تو وہ طلسم ہے جس کا جادو تنہائی میں اور بھی بڑھتا ہے
جیسے ستار کی دھن
جیسے آبشار جو بلندی سے زمین کی جانب گرتی ہے

جیسے بازگشت کا سحر جو پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس سماعت کی جانب بھاگتا ہے
کہ یہ تو میرے دل کی آواز ہے
اپنے جذبوں کا قیدی ہونا آسان نہیں
اس اذیت کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا پڑتا ہے
کوئی دوا ہے نہ تعویذ کارگر اس میں
اتر نہ پائے گا یہ عشق ہے بخار نہیں
کیسا مہلک عشق ہے جو سطروں میں نہیں اترتا
جسے دوا نہیں چھو سکتی
اور جسے سہنا ایک اذیت ہے
نظر کے ملتے ہی ہاتھوں سے دل نکلتے ہیں
یہ لین دین ہے آپس کا کاروبار نہیں
عشق کاروبار تو نہیں
یہ تو وہ دیوانگی ہے جو نفع و نقصان سے بالاتر ہے
کیا خوبصورت غزل ہے
تعبیر کہاں ملی ہر خواب کو
یہی تو الم ہے

نہ دسترس میں ہے تعبیر اور نہ نیند پہ بس
وہ خواب زار بھی پہلا سا خواب زار نہیں
اک ایسی کیفیت جہاں نیند سکون کھو چکی

قدم قدم پہ مری تاک میں ہیں اندیشے
اور اب تو ماں کی دعاؤں کا بھی حصار نہیں

یہ شعر پڑھ کر یوں لگا کہ شاید یہ میرے دل کی آواز ہے
بے شک ماں کی دعا ایک مظبوط قلعہ ہوتی ہے ماں کے کھو جانے کا دکھ میرے لئے ابھی نیا ہے
اور تمثیلہ کے لئے یہ پرانا
جبکہ تمثیلہ اس جدائی کے دکھ کو جو مجھ سے بہت پہلے کا ہے
سہتی آرہی ہے۔۔۔۔
جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ دکھ کیسا ہوا کرتا ہے
ماں کے بچھڑ جانے کا خوف اور عدم تحفظ کی شدت کو خود میں سموتا یہ شعر الم کی آخری حد لگنے لگا

بس ایک شرط ہے اتنی مجھے خطاؤں پر
وہ سنگسار کرے جو گناہ گار نہیں

ایک جراتمندانہ فیصلہ
منافق معاشرے پر گہری چوٹ ہے
جو اعلان کرتا ہے ہے کوئی جو

جو معصوم ہے تو بس پہلا پتھر وہ چلائے گا

یہ چاہتوں کی ہے بازی یہاں پہ تمثیلہ
کسی کی جیت نہیں ہے کسی کی ہار نہیں
محبت نہ جیتی جاتی ہے نہ ہاری جاتی ہے
بس اسے جی جان سے جیا جاتا ہے

تمثیلہ کی غزلیں ایک تجربہ ہیں

محبت شکست یاد نیند اندیشے
اور سماجی دوغلے پن پر گہرا تبصرہ ہیں

جنھیں کرب کی لے پر لکھا گیا ہے

دعا گو ہوں کہ میری ادبی دوست
اس مقام کو چھو جائے کہ جہاں قدم قدم پر منزلیں
اس کا نصیب ٹھہریں

شعاعِ نور

تمثیلہ لطیف فن و شخصیت و فکری مقام

تمثیلہ لطیف کا کلام فکری بالیدگی، تہذیبی شعور اور روحانی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے اشعار میں کلاسیکی شاعری کی سنجیدگی اور عصری مسائل کی جھلک ایک ساتھ دکھائی دیتی ہے۔

ان کی پہلی غزل رومانوی اور استعاراتی پیرائے میں لکھی گئی ہے، جہاں دکھ، جدائی، اور محبت کی آزمائش کو فلسفیانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

تھی اِدھر چشمِ نمیدہ ، اک مجسم داستاں
سانس اُدھر میرا عدو ، اور زندگی تھی امتحاں

تیرے بنگلے سے بڑا ہے میرا گھر، میرا مکاں
آسماں ہے شامیانہ ، اور زمیں گلشن نشاں

کون ہے اس باغ کی خاطر پریشاں اب یہاں
کس کو گلچیں مان لوں ، اور کس کو سمجھوں باغباں

اس طرح پھینکے تھے نیزے ، ظالموں نے شاہ پر
جسم جیسے چھلنی چھلنی ، برچھیوں کے درمیاں

کس طرح ہو کر اسیر آئے تھے یوسف ، مصر میں
اور کس نے کاٹ لی تھیں ، پھل کے بدلے انگلیاں

تم تو کہتے تھے کہ میرے دل سے واقف ہو مگر
بد گمانی کی ہے کیسے درمیاں میں داستاں

دل یہ کہتا ہے کہ تمثیلہ ! کھلیں چاہت کے گُل
پھول پر منڈلائیں پھر سے منچلی سی تتلیاں

سانس اُدھر میرا عدو، اور زندگی تھی امتحاں" جیسے اشعار حیات و بقا کی جدوجہد کو ایک اعلیٰ تخیلاتی سطح پر لے جاتے ہیں۔ ہر غزل فکری و فلسفیانہ شاعری کی عمدہ مثال ہے، جو خودی، قومی غیرت، اور اسلامی اقدار کے زوال پر نوحہ کناں ہے۔

شاعرہ کی فکر علامہ اقبال کی فکری روایت سے جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جہاں وہ ایک خوابیدہ قوم کو جگانے، اس کی کھوئی ہوئی جرات واپس لانے اور مغربی تہذیب کے غلامانہ اثرات سے نکلنے کی تلقین کرتی ہیں۔

کھو چکا ہے جب سے تُو شاہین ! پندارِ خودی
مٹ چکا ہے تب سے تجھ میں امتیازِ زندگی

نام کا مسلم ہے تو اور کام کافر سے ترے
سامریّت چال میں ، اپنائے پیشہ آزری

کیوں نہیں کرتا پلٹ کر وار پسپائی کے بعد
تجھ پہ سجتے ہی نہیں ہیں اضطراب و بے کلی

شہر خیبر منتظر ہے فتح کا ، پھر ایک بار
دیکھنے بے چین ہے پھر قوم ، ضربِ حیدری

بندہِ تہذیبِ مغرب ، کاہل و ناکارہ سن !
جراتیں اجداد کی لے ، چھوڑ دے یہ بزدلی

کیسے لرزیں گے ، تری دہشت سے ایوانِ عدو
دین سے ہے بیر تجھ کو ، رب سے ہے بیگانگی

تجھ کو بھا جائے تری مرضی ہے تمثیلہ ، مگر
مجھ کو تو بھایا نہیں ہے یہ نظامِ کافری

کیوں نہیں کرتا پلٹ کر وار پسپائی کے بعد" جیسے مصرعے صرف مادی جنگ کی بات نہیں کرتے بلکہ روحانی اور فکری جدوجہد کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ یہ کلام صرف شاعری نہیں بلکہ ایک فلسفیانہ خطبہ بھی ہے، جو ماضی کی شاندار روایات اور حال کی بے عملی کے درمیان ایک فکری تضاد پیدا کرتا ہے۔

شاعرہ کے ہاں کلاسیکی اور جدید، جذبات اور منطق، عقیدت اور تنقید کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے، جو ان کے کلام کو صرف شعری سطح پر ہی نہیں بلکہ فکری اور نظریاتی سطح پر بھی قابلِ غور بنا دیتا ہے۔

ان کی غزلیں ایک ایسے ذہن کی عکاسی کرتی ہیں جو محض جذبات کی ترسیل پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ قاری کو سوچنے، سمجھنے اور عمل پر ابھارنے کی کوشش کرتا ہے۔

مذکور البالا غزل ایک گہرے داخلی کرب اور انسانی زندگی کی آزمائشوں کا شاعرانہ اظہار ہے۔ شاعرہ نے نہ صرف عشق و محبت کی پیچیدگیوں کو بیان کیا ہے بلکہ تقدیر، صبر، اور

انسانی مجبوریوں کا بھی فلسفیانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ "تھی اِدھر چشمِ نمیدہ، اک مجسم داستاں
سانس اُدھر میرا عدو، اور زندگی تھی امتحاں"

یہ اشعار انسانی زندگی کے اس بنیادی مسئلے کو سامنے لاتے ہیں جہاں زندگی ایک مسلسل امتحان کی شکل میں جلوہ گر ہے۔ "سانس اُدھر میرا عدو" جیسا استعارہ شاعرہ کے تخیلاتی وفور کا عکاس ہے جو زندگی کی ناپائیداری اور اس میں درپیش چیلنجز کی شدت کو نمایاں کرتا ہے۔

اسی طرح، "کس کو گلچیں مان لوں، اور کس کو سمجھوں باغباں"

یہ مصرع ایک بڑے سماجی اور فلسفیانہ سوال کو اٹھاتا ہے۔ یہاں شاعرہ صرف محبت کی داستان نہیں کہہ رہی بلکہ انسان کے اس مخمصے کو بیان کر رہی ہیں کہ کس پر اعتماد کیا جائے اور کس کو ناصح مانا جائے؟ یہ داخلی اور خارجی دنیا میں حق و باطل کی پیچیدگیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ غزل خالص اقبالیاتی رنگ لیے ہوئے ہے، جہاں شاعرہ نہ صرف مسلم امہ کے زوال کا نوحہ کرتی ہیں بلکہ عملی اقدام اور "ضربِ حیدری" کی ضرورت پر بھی زور دیتی ہیں۔

"کھو چکا ہے جب سے تُو شاہین! پندارِ خودی مٹ چکا ہے تب سے تجھ میں امتیازِ زندگی"

یہاں شاعرہ نے اقبال کے فلسفۂ خودی کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کے نزدیک جب کوئی قوم اپنی خودی (Selfhood) کو کھو بیٹھتی ہے تو وہ اپنی پہچان، جرات اور امتیازِ حیات بھی گنوا دیتی ہے۔

"نام کا مسلم ہے تو اور کام کافر سے ترے سامریّت چال میں، اپنائے پیشہ آزری"

یہ اشعار امتِ مسلمہ کے اس فکری بحران کو بے نقاب کرتے ہیں جہاں مسلمان نام کے تو ہیں مگر ان کے اعمال، نظریات اور طرزِ زندگی اغیار سے مستعار ہیں۔ "سامریّت" اور "آزری" جیسے استعارے قرآنی سیاق و سباق میں بھی ایک تاریخی پس منظر رکھتے ہیں، جو شاعرہ کی علمی وسعت اور فکری گہرائی کو ظاہر کرتے ہیں۔

"شہرِ خیبر منتظر ہے فتح کا، پھر ایک بار دیکھنے بے چین ہے پھر قوم، ضربِ حیدری"

یہاں شاعرہ ایک بیدار کن صدا بلند کر رہی ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم امہ اپنی کھوئی ہوئی قوتِ ایمانی اور جراتِ عمل کو بحال کرے۔ "ضربِ حیدری" نہ صرف ایک تاریخی اشارہ ہے بلکہ ایک فکری و روحانی علامت بھی ہے، جو اسلام کی اصل روح کو زندہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری کو صرف ایک ادبی کاوش سمجھنا اس کے اثرات کو کم کرنے کے مترادف ہو گا۔ یہ شاعری فکری و فلسفیانہ بیداری کی کوشش ہے جو انسان کو اس کے مقام سے آگاہ کرنے، اس میں عملی قوت پیدا کرنے اور ایک تہذیبی احیا کی امید جگانے کی سعی کرتی ہے۔ ان کا کلام علامہ اقبال کی شاعری کی طرح وجدانی، حماسی اور فکری اعتبار سے گہرا ہے۔ وہ روایتی حسنِ بیان سے آگے بڑھ کر ایک فکری تحریک کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، جہاں ان کے اشعار محض پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ عمل کے لیے بھی تحریک دیتے ہیں۔

یہ شاعری نہ صرف فکری اور نظریاتی مباحث کو چھیڑتی ہے بلکہ انسانی جذبات، مذہبی روح، اور تہذیبی شناخت کے بحران کو بھی موضوع بناتی ہے، جو اسے ایک بلند پایہ فکری اور اصلاحی کلام بناتا ہے۔ تمثیلہ لطیف کی شاعری کا دیگر شاعرات سے موازنہ کرتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ ان کی شاعری کا دائرہ کار، فکری رجحان، اور اسلوب کن اہم شعری روایات سے جڑا ہوا ہے۔

اگر ہم اردو ادب کی چند نمایاں شاعرات پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، اور کشور ناہید کو سامنے رکھیں تو تمثیلہ لطیف کی شاعری کا ایک منفرد مقام واضح ہوتا ہے۔

1. تمثیلہ لطیف اور پروین شاکر

پروین شاکر کی شاعری میں محبت، نسوانی احساسات، اور جذباتی لطافت نمایاں ہے۔ وہ حسن و عشق کے معاملات کو نسائی نکتۂ نظر سے دیکھتی ہیں اور ان میں نزاکت، تہذیبی نرمی اور داخلی جذباتیت کی گہرائی محسوس ہوتی ہے۔

فرق: تمثیلہ لطیف کی شاعری جذباتی ہونے کے باوجود فکری اور نظریاتی رنگ زیادہ رکھتی ہے۔

جہاں پروین شاکر کا کلام زیادہ تر عشق و محبت، عورت کے جذباتی کرب، اور معاشرتی قیود کی بات کرتا ہے، وہاں تمثیلہ کی شاعری ایک حماسی اور اصلاحی بیانیہ لیے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں عشق بھی محض داخلی کرب تک محدود نہیں بلکہ ایک فکری جستجو اور معنوی تلاش کی صورت میں آتا ہے۔

2. تمثیلہ لطیف اور فہمیدہ ریاض

فہمیدہ ریاض کی شاعری ترقی پسند تحریک سے جڑی ہوئی تھی اور ان کے ہاں نسائی حقوق، بغاوت، اور سیاسی شعور نمایاں تھا۔ ان کی شاعری معاشرتی اور سیاسی جبر کے خلاف ایک احتجاج کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ تمثیلہ لطیف کی شاعری میں بھی تہذیبی زوال، امتِ مسلمہ کی بے حسی، اور فکری کشمکش کا ذکر ہے، مگر وہ مکمل طور پر بغاوت کا راستہ اختیار نہیں کرتیں بلکہ اصلاح اور احیا کی بات کرتی ہیں۔

ان کے ہاں فہمیدہ کی طرح شدت نہیں بلکہ ایک سنجیدہ فکری متانت موجود ہے جو امتِ مسلمہ کے زوال کا نوحہ بھی کرتی ہے اور انقلابی اصلاح کا پیغام بھی دیتی ہے۔

3. تمثیلہ لطیف اور کشور ناہید

کشور ناہید کی شاعری خواتین کے مسائل، معاشرتی ناانصافی، اور صنفی برابری جیسے موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔ ان کا لہجہ تلخ، مزاحمتی اور حقیقت پسندانہ ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری مزاحمت کی بجائے ایک فلسفیانہ تجزیے پر مشتمل ہے۔ وہ کسی ایک طبقے یا مسئلے کو نشانہ بنانے کی بجائے پوری امت اور اس کی تہذیبی و روحانی پسماندگی پر گفتگو کرتی ہیں۔ کشور ناہید کے ہاں نسوانی شعور اور مردانہ سماج سے تصادم نمایاں ہے، جبکہ تمثیلہ کی شاعری ایک اجتماعی فکری احیا اور خود شناسی کا پیغام دیتی ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری کو مکمل طور پر کسی ایک شاعرہ کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا، کیونکہ ان کے ہاں کئی روایات کا امتزاج موجود ہے۔ وہ پروین شاکر کی طرح لطافت رکھتی ہیں مگر ان کے ہاں جذباتی شاعری کم ہے۔ وہ فہمیدہ ریاض کی طرح معاشرتی بیداری کی قائل ہیں مگر بغاوت کی بجائے اصلاح کا راستہ اپناتی ہیں۔ وہ کشور ناہید کی طرح عورت کے بجائے پوری

قوم کے مسائل پر نظر رکھتی ہیں اور تاریخی حوالوں سے استفادہ کرتی ہیں، مگر ان کے ہاں امید کی کرن باقی رہتی ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قاری کو گہرے جذبات اور خوبصورت خیالات کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ ان کے اشعار میں نہ صرف روایتی اردو شاعری کی لطافت موجود ہے بلکہ جدید دور کے تقاضوں کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

ان کی شاعری میں محبت، ہجر، امید اور تنہائی جیسے موضوعات کو منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے قاری ان کے احساسات سے جڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں سادگی کے ساتھ ایک مخصوص تاثیر پائی جاتی ہے، جو دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور انہیں اردو ادب کی ممتاز شاعرات میں شمار کراتی ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری کا ایک اور نمایاں پہلو ان کی زبان و بیان کی سادگی اور روانی ہے، جو عام قارئین کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ وہ مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کے بجائے عام فہم زبان میں گہرے جذبات کا اظہار کرتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اشعار میں ایک خاص کشش پائی جاتی ہے۔

ان کے کلام میں زندگی کے تجربات، دکھ، سکھ، خواب اور حقیقتوں کا حسین امتزاج ملتا ہے، جو ایک وسیع فکری پس منظر کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں خواتین کے جذبات اور سماجی رویوں کی عکاسی بھی نمایاں ہے۔ وہ عورت کے اندرونی احساسات، اس کی جدوجہد، قربانی اور محبت کو ایک منفرد انداز میں بیان کرتی ہیں۔

یہ پہلو انہیں خاص طور پر خواتین قارئین میں مقبول بناتا ہے، جو ان کے اشعار میں اپنی کہانی محسوس کرتی ہیں۔

مزید برآں، تمثیلہ لطیف کی شاعری میں محبت کے ساتھ ساتھ زندگی کی حقیقتوں کا گہرا ادراک بھی نظر آتا ہے۔ وہ خواب دیکھنے اور ان کے ٹوٹنے، امید رکھنے اور مایوسی سہنے، اور خوشی و غم کے ملاپ کو ایک حساس مگر باوقار انداز میں بیان کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار جذباتی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں اور قاری کے دل میں اتر جاتے ہیں۔

ان کے کلام میں نہ صرف رومانوی جذبات کی خوبصورتی ہے بلکہ انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں اور جذباتی کیفیات کی عکاسی بھی انتہائی موثر انداز میں کی گئی ہے۔

تمثیلہ لطیف کی شاعری نے اردو ادب میں ایک خوبصورت اور منفرد مقام حاصل کیا ہے، اور ان کا تخلیقی سفر مسلسل ترقی کی جانب گامزن ہے۔

ان کے الفاظ کی سادگی، جذبات کی گہرائی اور تخیل کی بلند پروازی انہیں ایک ممتاز شاعرہ کے طور پر مزید مستحکم کر رہی ہے۔

امید ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اسی جوش و خروش اور محبت کے ساتھ اپنے کلام کے ذریعے قارئین کے دلوں کو چھوتی رہیں گی۔ میں ان کے تابناک مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان کی شاعری اردو ادب کے افق پر ہمیشہ چمکتی رہے۔

مظفر احمد مظفر: لندن، برطانیہ

جو بدر و ماہ تاب اک عکس ہے روئے محمدؐ کا
نیا یہ چاند بھی پر تو ہے ابروئے محمدؐ کا

یہ تیرہ وسوسے بھٹکا نہ پائیں راہ راشد کی
سہارا ہے بہت دنیا کو بازوئے محمدؐ کا

جنوں بھی یہ مرا عرفانِ مکتب کی کرامت ہے
مری فرزانگی جلوہ ہے جادوئے محمدؐ کا

روش کی تاب ناکی مثل جیسے کہکشاں کی ہے
ہے روشن مثلِ انجم ، ذرہ بھی کوئے محمدؐ کا

معطر کر گیا ہستی کو ، اک جھونکا وہ تمثیلہؔ
جو بہتر مُشک و عنبر سے ہے ، خوشبوئے محمدؐ کا

قصہِ کربلا

کہیں پاس ، خیموں سے اٹھتا دھواں تھا
کہیں دور محصور ، دریا رواں تھا

لکھی جائے گی داستاں خونِ دل سے
ارادوں سے دشمن کے سب کچھ عیاں تھا

ہوئے جب عَلَمَ دار عباس زخمی
زمیں رو رہی تھی ، ملول آسماں تھا

ہوا حلقِ اصغر میں ، جب تیر پیوست
سنی داستاں جس نے ، ماتم کُناں تھا

وہ قاسم سا نوشہ ، وہ شہزادہ اکبر
تھیں معصوم جانیں ، ستم بیکراں تھا

وہی میرا رہبر ، وہی میرا مرشد
شہیدوں کا سردار ، شاہ جناں تھا

کیا تھا رقم قصہِ کربلا جب
تو تمثیلہ ! آکاش تک نوحہ خواں تھا

جب بھی رُت سردیوں کی آتی ہے
یاد تیری ! بہت ستاتی ہے

تو جو رکھتا ہے ہاتھ ماتھے پر
روح ، بے حد سکون پاتی ہے

بلبلہ سطحِ آب پر جیسے
زندگی کی یہ بے ثباتی ہے

گاؤں میں زیست ، گرد آلودہ
شہر میں کار ، چمچماتی ہے

بھوک سے کیوں نہ آشنائی ہو
روز ، دروازہ کھٹکھٹاتی ہے

اک دعا ہے ، جو بار بار مرے
لب تک آتی ہے لوٹ جاتی ہے

نام آسودگی ہے تمثیلہ !
میری اچھے دنوں کی ساتھی ہے

سرد رتوں میں ، چاند اکیلا رہتا ہے
اُس کے یاد آنے کا دھڑکا رہتا ہے

کوئی سبب پوچھے تو وضاحت کیا دینی
چنری کا کونہ کیوں بھیگا رہتا ہے

جانے والے کے احوال اور سمت بتائے
پیڑ تلے جو سادھو بیٹھا رہتا ہے

شب کو نیند آنکھوں سے اُڑ اُڑ جاتی ہے
دن بھی کتنا سُونا سُونا رہتا ہے

یاد آتا ہے سرحد پار کوئی اپنا
ڈال پہ پنچھی جب بھی اکیلا رہتا ہے

سوچیں اُس کے گھر کا رُخ کرلیتی ہیں
جب چولہے پر دودھ اُبلتا رہتا ہے

پلکیں کیوں بھیگی بھیگی ہیں تمثیلہ !
آئینہ کیوں دھندلا دھندلا رہتا ہے

جو اک ناداں کو ، دانا بولتا ہے
ہے مجھ پر جِن کا سایہ ، بولتا ہے

اُسے جب داستانِ غم کہوں تو
' مقدر کا ہے لکّھا ' بولتا ہے

اسے درخواست ملنے کی کروں تو
'میں دریا ہوں ، تو صحرا ' بولتا ہے

زمانے ، زرد رُت کے آگئے ہیں
شجر کا ٹُوٹا پتہ بولتا ہے

ہے میرا عکس بھی اب کرچی کرچی
یہ آئینہ شکستہ بولتا ہے

کہاں ہے ہم قدم تیرا ، مسافر !
تری بستی کا رستہ بولتا ہے

کھلونے ، دسترس سے دور کیوں ہیں
کسی مفلس کا بیٹا بولتا ہے

مانگ کر تھک جائے گا بالفرض ، گر تقدیر سے
مجھ کو حاصل کر ہی لے گا تو ، کسی تدبیر سے

نام مہندی سے ہتھیلی پر لکھوں گی شام کو
ڈھیر باتیں ہوں گی پھر پہروں ، تری تصویر سے

کر نہ پائے گا تصور میں کبھی آوارگی
آ ، تجھے قیدی بنا لوں ، زلف کی زنجیر سے

تجھ کو اپنے نام کرلوں گی بڑی جرأت سے یوں
جیسے مانگے حق کوئی ، اجداد کی جاگیر سے

سردیوں کی رُت میں بھی رنگیں رہے تیرا خیال
شال پشمینہ ، کسی دن لے کے آ ، کشمیر سے

باندھ رکھوں گی شجر کی شاخ سے میں چاند کو
شہر سے لوٹے گا ' شب کو تُو اگر تاخیر سے

کون تمثیلہ ، سجائے گا پھر آنکھوں میں اُسے
اعتبار اٹھ جائے گا جب خواب کی تعبیر سے

عدو کے ہاتھ میں خنجر دغا کے ہوتے ہیں
ہمارے زخم اِدھر ، کربلا کے ہوتے ہیں

لہک لہک کے شجاعت کی داد پاتے ہیں
وہ بادباں جو مقابل ہوا کے ہوتے ہیں

محبتیں ہی نہیں صرف ، ماں کے سینے میں
لوازمات بھی تیری بقا کے ہوتے ہیں

کھنچی ہوئی چلی آتی ہیں تتلیاں خود ہی
کچھ ایسے معجزے دستِ حنا کے ہوتے ہیں

اذیتوں کا محبت میں کچھ شمار نہیں
کہ پہلے دن تو بڑے ابتلاء کے ہوتے ہیں

دعا یہ کر ، دلِ مضطر بھی ان پہ قانع ہو
جو فیصلے ترے حق میں خدا کے ہوتے ہیں

سکون کیوں نہ ملے دل نشیں کو تمثیلہ
کہ جس پہ سائے تمہاری ردا کے ہوتے ہیں

مصحف جیسا ماں کا چہرہ لگتا ہے
بند عبا کا اک تعویذ سا لگتا ہے

جب بھی دم کرتی ہے مجھ پر جاتے وقت
اک اک جملہ آیت جیسا لگتا ہے

مشک کی مانند اسکے پیکر کی خوشبو
اسکا سایہ عکس خدا کا لگتا ہے

اس کی ممتا پربت کی صبحوں جیسی
آنچل اس کا چاند کا ہالہ لگتا ہے

ٹھنڈی اوس کا لمس ہے اسکے ہاتھوں میں
غارِ حرا سا اس کا کمرا لگتا ہے

شہد کی لذت ہے باتوں میں تمثیلہ
امرت جیسا اس کا لہجہ لگتا ہے

میرا چاند لوٹا دو

صبح کے اجالوں نے
رات سے یہ پوچھا ہے
بول ! تیرے دامن میں
اتنا کیوں اندھیرا ہے

رات نے اٹھا کر سر
وحشتوں کے عالم میں
یوں کہا اجالوں کو
سرد سرد موسم میں

وقت کے لٹیروں نے
سر پھرے سویروں نے
وصل رُت کی راحت کو

مجھ سے میری چاہت کو
جس گھڑی سے چھینا ہے
تب سے میں نے ٹھانا ہے
ساتھ رہنے والوں کو
آدمی کے سایوں کو

قتل کرتی رہتی ہوں
خود بھی مرتی رہتی ہوں

جاؤ دن کے سورج کو
اتنا بس سندیسہ دو
میرا چاند بس مجھ کو
جس سمے بھی لوٹا دو

تب سے رات کی رونق
پھر سے لوٹ آئے گی
چاندنی جواں ہو کر

پھر خوشی منائے گی

جاؤ ! دن کے سورج کو

اتنا بس سندیسہ دو

میرا چاند لوٹا دو

میرا چاند لوٹا دو ----

ہم بھکاری ، رسول کے در کے
اور وہ شافع ہیں روزِ محشر کے

گوشے گوشے پہ حکمراں ہو تم
دل میں بت کیوں بساؤں پتھر کے

تم سخنور نہ خود بھی بن جاؤ
اس کے شعروں پہ تبصرہ کر کے

پھیر لیتا ہے شرم سے وہ نظر
سر سے جب میرے اوڑھنی سرکے

موت ! کچھ ساعتوں کی مہلت دے
وہ سرہانے کھڑا ہے بستر کے

ہوگی رنگیں حیات ، تمثیلہ !
دیکھ لو اُس پہ جیتے جی مر کے

یہ دور ، پاس جو رُت ماتمی نظر آئی
ندی کے پاس بھی اک تشنگی نظر آئی

خداہی جانے کہ ، تعبیر کیا کرے کوئی
جو خواب میں مری جھولی پھٹی نظر آئی

پھر اس کے بعد دھڑکنا ہی بھول بیٹھا دل
جب اُسکی جاتی ہوئی پالکی نظر آئی

ترے بغیر تو لگتا ہے ، مجھ کو خواب میں بھی
زمین سخت ، کہیں دلدلی نظر آئی

گلی گلی میں دعا ، شانتی کی ہوتے ہوئے
زباں پہ رام ، بغل میں چھُری نظر آئی

وہ آدھی رات کو شدت سے یاد آیا تھا
اداس صحن میں جب چاندنی نظر آئی

یہ قہر ڈھاتی ہوئی دھوپ ہے ، جو تمثیلہ !
شجر سے چھاؤں بھی لپٹی ہوئی نظر آئی

یہ بچے شوقِ جدت میں فسانے بھول جائیں گے
حسیں کتنے تھے پُرکھوں کے زمانے بھول جائیں گے

چرا کر وہ نظر اپنی ہمیشہ بات کرتے ہیں
ملیں آنکھیں تو پھر سارے بہانے بھول جائیں گے

یہ بچے ہیں ابھی تو یاد ہے لیکن بڑے ہو کر
حسیں لمحات کتنے تھے سہانے بھول جائیں گے

اگرچہ یہ بھلا دیں گے سبھی کچھ ، تھا یقیں لیکن
کبھی سوچا نہ تھا قومی ترانے بھول جائیں گے

کتابیں راحتِ دل ہیں کتابیں علم کا ورثہ
نہ سوچا تھا کہ ہم اپنے خزانے بھول جائیں گے

کلام ایسا کہ ہم نے جس سے پہچانا ہے باطن کو
تو کیا اب یہ کمانیں اور نشانے بھول جائیں گے

ہیں تب تک یاد تمثیلہ' ہے جب تک زندگی اور پھر
ہمیں ، چھوٹے بڑے ، اور درمیانے بھول جائیں گے

تجھے یہ عشق جب رسوا کرے گا
میں تب پوچھوں گی تجھ سے، کیا کرے گا

کرے گی رقص، جب شب بھر اداسی
مرا سایہ تلک رویا کرے گا

بچھڑ جا ! ہے اجازت ، شرط ہے پر
تُو میرے خواب میں آیا کرے گا

یہاں ، ہر ذی نفس کی ہے عداوت
محبت سے , تجھے روکا کرے گا

تری تصویر سے باتیں کروں گی
جو دل، تیرے لئے تڑپا کرے گا

تری آنکھوں پہ لکھوں گی غزل میں
ترا غم، جب کبھی پیچھا کرے گا

منا لے گا مجھے تمثیلہ! آ کر
یہ دل اُس سے اگر روٹھا کرے گا

یہ رسم تو ، سرِ بازارِ مصر عام نہیں
خریدنا بھی ہے یوسف کو اور دام نہیں

یہ جگنوؤں کی مشالیں ، یہ دُھند اوڑھے پیڑ
مرے نصیب میں اتنی حسین شام نہیں

بہت عزیز ہے ، عزت مجھے قبیلے کی
تری طرح مرے جذبات بے لگام نہیں

تو میری نذر کرے ، کیسے سلطنت دل کی
تری نظر میں جو چاہت کا احترام نہیں

ابھی تو اور ہیں درپیش امتحاں مجھ کو
مرے عزیز ! یہ قصہ ابھی تمام نہیں

اُسے تو ، لے کے عَلَم معرکے میں لڑنا ہے
جو اپنی جان کی پروا کرے ، امام نہیں

جو جانتا نہیں ،معیار تیرا تمثیلہ!
کتابِ دل میں ، ابھی درج ، اُس کا نام نہیں

نجومی لوگ۔۔نظم

بھیگی بھیگی بارش میں
جاگنے کی کوشش میں

نم کنارے پلکوں کے
نیند سے تھکی آنکھیں
ان میں سرخ سے ڈورے
دیکھ کر کوئی چونکے
ایسے کون چاہے گا
دل کے راز افشا ہوں
لوگ تو نجومی ہیں

ذہن پڑھنے لگتے ہیں
رات کو اکیلے میں
ملگجے اندھیرے میں
چاہے ، یاد آ جانا
جتنا چاہے تڑپانا

ایک دو روز کی اداسی نہیں
مختصر اس قدر جدائی نہیں

روٹھنے والا من بھی جاتا ہے
تیری عادت یہ کیا نرالی نہیں

شکریہ ، تیرے اِس دوپٹے کا
اسکی رنگت مگر گلابی نہیں

جب بھی اوڑھوں گی ، یاد آئے گا تو
اس سے بہتر کوئی نشانی نہیں

جا کے پردیس اب پریشاں ہے
تو نے کیوں بات میری مانی نہیں

آ گئی ہوں تو دھیان میں رکھنا
اب میں اِس دل سے جانے والی نہیں

اتنی مایوس کیوں ہے تمثیلہ !
کیا تری چاہتیں مثالی نہیں

یہ آدھے ادھورے سے تحائف بھلا کب تک
دینا ہے اگر خواب تو تعبیر بھی لا دے
گلدان سجاتا ہے گلابوں سے جو اکثر
سنجیدہ سے ہونٹوں پہ تبسم بھی سجا دے

کھلونے عجب شکل کے بن رہے ہیں
خطا ایسی کیا، کوزہ گر ہو رہی ہے !
روش عام ہے ایسی حیوانیت کی
کہ انسانیت در بدر ہو رہی ہے

شفق گوں ، آپ کا چہرہ بہت ہے
یہ رنگ اک شوخ پر جچتا بہت ہے

خبر تھی آپ نے آنا نہیں تھا
مگر کیوں راستہ دیکھا بہت ہے

دکھائی دی جھلک اک آپ کی آج
سو پیاسے کو تو اک قطرہ بہت ہے

میں کہتی ہوں کہ آج آفس نہ جائیں
اگر بارش کا اندیشہ بہت ہے

بڑی خوش رنگ ، نازک چوڑیاں ہیں
چلو ، فی الحال یہ تحفہ بہت ہے

نہ جانے ، کس تعلق سے ہو باتیں
کہ لہجہ اب کے سنجیدہ بہت ہے

خدایا ! راحتوں کی ہے گزارش
پریشاں حال تمثیلہ بہت ہے

لطف آتا تھا کبھی پیار بھری باتوں کا
تو نے اب چھیڑ دیا سلسلہ فریادوں کا

ہیں شکم سیر پرندوں کی دعائیں اِن کو
بار آور جو ، ہر اک پیڑ ہے کھلیانوں کا

اتنا شیریں تو ترے شہر کا بھی شہد نہیں
جتنا پانی ہے مرے گاؤں کے تالابوں کا

تم تو تاجر ہو بڑے ، موت کے سوداگر ہو
اب نہ ماتم کرو بے گور و کفن لاشوں کا

پار سرحد سے ، جو تعبیر کے امکان نہیں
فائدہ کیا ہوا ، انُ بے سر و پا خوابوں کا

سی مرے ہونٹ ، سزا دے مجھے حق گوئی کی
شور آئے گا مگر کانوں میں ، سنّاٹوں کا

وار دی ، ملک کی خاطر تو خوشی تمثیلہ !
پیش کر ، خون بھی اِس کو تری شریانوں کا

تجھ میں خوئے وفا نہیں باقی
لب پہ حرفِ دعا نہیں باقی

کیا خطابت میں شعلگی آئے
عشقِ دو آتشہ نہیں باقی

ظلم ڈھانے سے ہو گیا تائب
اُس میں بوئے جفا نہیں باقی

پھر وہ محبوب کیسے کہلائے
جس میں ناز و ادا نہیں باقی

پھیر لی میں نے جب نظر تجھ سے
اب ، ترا آئنہ نہیں باقی

تیرگی ، اس قدر مرے مولا
اب تو سایہ مرا ، نہیں باقی

زرد رُت کا عذاب تو دیکھو
اک شجر بھی ہرا ، نہیں باقی

منتظر ، حشر کی ہے تمثیلہ
کوئی رب کے سوا نہیں باقی

نظر میں خواب پھر پتھرا گئے کیا
زمانے رت جگوں کے آگئے کیا

ادھر مڑ مڑ کے اب کیوں دیکھتے ہو
نہ جا کر بزم میں پچھتا گئے کیا

ہے کیوں اجڑی ہوئی آغوش ماں کی
پرندے ، شاخ سے اکتا گئے کیا

یہ کیوں مدھم ہوئی ، گاؤں کی خوشبو
حدودِ شہر میں ہم ، آ گئے کیا

مرورِ ماہ کے اس جزر و مد سے
سمندر خشکیوں پر چھاگئے کیا

تجھے ثابت قدم اللہ رکھے
عدو کے وار ، دل دہلا گئے کیا

ہے تمثیلہ کی قسمت تیرگی کیوں
ستارے بخت کے دھندلا گئے کیا

محبت کا پائے تخت

چھپ چھپ کے تجھ سے ملنے کا اپنا مزہ بھی ہے
چاہت ، مرے حبیب مگر اک بلا بھی ہے

شیوہ ازل سے ہے دلِ معصوم کا ضرور
من مانیوں پہ اپنی اتر آئے جس گھڑی

ظالم سماج برسرِ پیکار لاکھ ہو
جب ہاتھ تھامنے کا تہیہ کرے کوئی

پھر فاصلوں کا طول ، نہ سرحد کا ہے حصار
پیغام دل سے دل کو پہنچتے ہوں بے شمار

سودے دلوں کے سود و زیاں سے بہت پرے
پلتے نہیں ہیں ، عمر و مذاہب کے وسوسے

سفاک بھی تو ہوتے ہیں بندھن سماج کے
روڑے بھی راستے ہیں کچھ شرم ، لاج کے

اتنا عزیز کیسے مری جان ہوگیا
پھر دیکھ ! میرے جینے کا سامان ہوگیا

بے فکر ہوں میں سونپ کے خوابوں کی سلطنت
تیرے سپرد کر کے ، محبت کا پائے تخت ۔۔۔۔۔

خوش نما حوالہ

حیات ، نام ہے دشوار رہ گزاروں کا
ہے امتحان کڑا ، ہم سے غم کے ماروں کا

اجڑ گئے ہیں بسیرے کئی پرندوں کے
قدم قدم پہ نئے روپ ہیں درندوں کے

وہ پھول ، رنگ ہے جس میں نہ کوئی خوشبو ہے
وہ لفظ جس میں کوئی سحر ہے نہ جادو ہے

یہ دن تو رات کی مانند ہو گئے میرے
اکیلے پن کے سہارے بھی کھو گئے میرے

ردا میں شب کی ، نہ اب چاند ہے نہ تارے ہیں
کوئی تو آس دلائے کہ ' ہم تمہارے ہیں '

مرے خدا ! میں تری قدرتوں کی قائل ہوں
تری قسم ، نہ میں مایوس ہوں نہ بد دل ہوں

خنک ہواؤں سے آنگن کو میرے تر کردے
مری امید کی ڈالی کو با ثمر کردے

مرے خیال کو اک خوش نما حوالہ دے
حسین خواب کا آنکھوں کو بھی اجالا دے

سفر میں راہ نما کوئی تو ستارہ ہو
کسی نظر میں شناسائی کا اشارہ ہو

کوئی تو پھول سے تتلی کو روشناس کرے
کوئی تو ہو کہ مجھے عام سے جو خاص کرے

کوئی دھنک مری چنری میں ٹانک دے لا کر
کوئی رباب کے تاروں کو چھیڑ دے آ کر

کوئی کلی ہی سجا دے اداس زلفوں میں
کوئی تو ہاتھ بڑھائے گھنے اندھیروں میں

فسردہ حال کو آسودگی نصیب کرے
کوئی تو ہو جو بجھی زندگی میں رنگ بھرے

زباں پہ آئے کوئی نام بے دھیانی میں
کوئی تو موڑ نیا آئے اس کہانی میں

کوئی تو حرف ہتھیلی پہ مہندیوں سے لکھوں
کوئی تو ہو ، جسے بے ساختہ میں اپنا کہوں

رہا نہ آنکھ میں اک خواب بھی اگر زندہ
تو کیسے ڈھونڈے گی تعبیر کوئی تمثیلہ

عافیت ، سحر گر سے پوچھتے ہیں
حل ، بہت مختصر سے پوچھتے ہیں

اس شکستہ مکان کے اسباب
آؤ ، دیوار و در سے پوچھتے ہیں

کیسے نادان ہیں کو لوگ اپنا
راستہ ہم سفر سے پوچھتے ہیں

ہم شرابوں کی حرمت و حِلّت
قاضیِ معتبر سے پوچھتے ہیں

میرے خط کی بجائے ، وہ میری
خیریت نامہ بر سے پوچھتے ہیں

راز ، مٹی کا قلبِ عاشق کی
چل ، کسی کوزہ گر سے پوچھتے ہیں

اپنے دل کی خبر بھی تمثیلہ !
لوگ کیوں بے خبر سے پوچھتے ہیں

پٹختا ہے ساحل پہ دریا سر ، اپنا
یہ کربل کا صحرا تو جنت نشاں ہے
نبی زادیوں کی ردائیں پھٹی کیوں
وہ سب جانثارانِ حیدر ع کہاں ہیں

دولتِ علم سے ، انجان سمجھتے ہیں مجھے
اور کبھی صاحبِ عرفان سمجھتے ہیں مجھے

بھوک ہم سائے کے بچوں کی رلاتی ہے، تو لوگ
اپنے فاقوں سے پریشان سمجھتے ہیں مجھے

ہے مری صنف سے منسوب مکمل سورۃ
کیسے پھر ، تارکِ قرآن سمجھتے ہیں مجھے

کچھ تو آثار جھلکتے ہیں مرے تیور سے
باطل و حق کا جو میزان سمجھتے ہیں مجھے

میں ترے گاؤں میں ، دو روز نہ ٹھہری پھر بھی
نا پسندیدہ سی مہمان سمجھتے ہیں مجھے

میں جو کہتی تھی کبھی 'جان' نہ کہنا ہرگز
دیکھ اب لوگ ' تری جان ' سمجھتے ہیں مجھے

میں ، کہ جو نیند میں راتوں کو پھرا کرتی ہوں
لوگ ، آنگن کا نگہ بان سمجھتے ہیں مجھے

مہر ہجرت کی لگا دیتے ہیں پیشانی پر
وہ جو باشندہِ ایران سمجھتے ہیں مجھے

بنتِ حوّا کا ہے اعزاز ، بہت تمثیلہ !
یونہی مخلوقِ پرستان سمجھتے ہیں مجھے

کل کسے بچھڑنا ہے

کچھ خیال بوجھل سے
ذہن میں یوں آتے ہیں
ڈار کے پرندے جوں
شام کے دھندلکے میں
گھونسلوں میں آتے ہی
تھک کے لیٹ جاتے ہیں

صبح پَو کے پھٹتے ہی
گھونسلوں سے اُڑ جائیں
اور ہوا کے جھونکوں سے
کون سمت مُڑ جائیں

کس نے یاد رکھنا ہے
کس نے بھول جانا ہے
آج کس پہ کیا گزری
کل کسے بچھڑنا ہے

کوئی کیسے سمجھائے
کس کی کیا طبیعت ہے
کس کی کیسی خصلت ہے
اُن دلوں کی کیفیّت
ہجر میں جو جلتے ہیں
وصل کو ترستے ہیں

ہیں سماج کے بندھن
اپنے قرب کے دشمن
یہ ، سوا بچھڑنے کے
راستہ نہ چھوڑیں گے

یوں ہی کب تلک جینا
زہر ، ہجر کا پینا
چار دن حیاتی کے
ساتھ میں گزر جائیں
ورنہ ہاتھ ، ہاتھوں میں
لے کے آؤ ، مر جائیں۔۔۔۔

مجھ کو اپنے جسم کا سایہ ملا
اجنبی جگ میں کوئی اپنا ملا

کیوں نہ کہہ دیں اس سے اپنے دل کی بات
مدتوں کے بعد جب تنہا ملا

ہم جسے سمجھا کیے مخلص حلیف
ایک دن دشمن سے وہ بھی جا ملا

جب بھی وعدہ اس نے ملنے کا کیا
بند دن بھر ، گھر کا دروازہ ملا

جوڑتا ہے ہاتھ جو دل کی بجائے
کیسے کافر سے مزاج اپنا ملا

خود کشی کا اک کنواری کی ، سبب
ڈائری میں پھول اک سوکھا ملا

اب بھی تمثیلہ ! معمّہ ہے ، مجھے
چھوڑ کر جانے سے اس کو کیا ملا

تجھ سے بہتر تو کبھی بخت ، ہمارے نہیں تھے
پھر بھی ہم وقت کے ہاتھوں کبھی ہارے نہیں تھے

بے سبب قید ہیں جیلوں میں مرے جتنے جواں
جشنِ آزادی پہ بھی اتنے غبارے نہیں تھے

اس لئے رب نے ہمیں سر نِگوں ہونے نہ دیا
غیر کے آگے کبھی ہاتھ پسارے نہیں تھے

اپنی غرقابی کے اسباب نہ ڈھونڈو اب تم
ڈوب جانا ہی تھا ، جب بوجھ اتارے نہیں تھے

اپنی قسمت میں کہاں اتنی شرف یابی تھی
مل گئے دور جو ، ہم ایسے کنارے نہیں تھے

ہم میں جُرأت تھی ، کہ حالات کا رخ موڑ دیا
ورنہ کیا تیری طرح ظلم کے مارے نہیں تھے ؟

ضُعف ایسا کہ ، نہ پلکیں بھی اٹھیں تمثیلہ
اتنی عسُرت میں ، تو دن اس نے گزارے نہیں تھے

حال اندر کا ، کہتے آنسو
آنکھوں سے جب نکلے آنسو

عاشق ہو کر پوچھ رہے ہو
کیا کہتے ہیں بہتے آنسو

تھک کر آخر تھم جائیں گے
شب بھر ، ماتم کرتے آنسو

دنیا کو ، غرقاب نہ کر دیں
پھر سے اگر یوں مچلے آنسو

گھبرائے ، بچوں کے جیسے
ضبط کی کوکھ میں سہمے آنسو

بزمِ طرب میں جشنِ بہاراں
برساؤں میں ، کیسے آنسو

تمثیلہ ! تم بھی کچھ رو لو
شعروں سے جب ٹپکے آنسو

یہ رسم تو ، سرِ بازارِ مصر عام نہیں
خریدنا بھی ہے یوسف کو اور دام نہیں

یہ جگنوؤں کی مشالیں ، یہ دُھند اوڑھے پیڑ
مرے نصیب میں اتنی حسین شام نہیں

بہت عزیز ہے ، عزت مجھے قبیلے کی
تری طرح مرے جذبات بے لگام نہیں

تو میری نذر کرے ، کیسے سلطنت دل کی
تری نظر میں جو چاہت کا احترام نہیں

میں سج سنور کے تری راہ خواب میں دیکھوں
سوائے اس کے ، مجھے کیا کچھ اور کام نہیں

ابھی تو اور ہیں درپیش امتحاں مجھ کو
مرے عزیز ! یہ قصہ ابھی تمام نہیں

اُسے تو، لے کے عَلَم معرکے میں لڑنا ہے
جو اپنی جان کی پروا کرے ، امام نہیں

جو جانتا نہیں ، معیار تیرا تمثیلہ!
کتابِ دل میں ، ابھی درج ، اُس کا نام نہیں

سیراب جسم و جان کو کرنے چلا ہے کیا
ایسا مرے وجود میں تجھ کو دکھا ہے کیا

جس کی طلب میں زندگی گزری ہے سوگوار
کچھ رنگ اُس کے پیار کا مجھ پر چڑھا ہے کیا

کرنے چلا ہے جو مرے غم کا علاج تو
ہجرت کا ذائقہ کبھی تُو نے چکھا ہے کیا

میں تھک چکی ہوں خواب کے لاشے جلا جلا
تیری بھی آنکھ میں کوئی سپنا مرا ہے کیا

کیونکر نہیں ہے مٹ رہی تیری فسردگی
اے دل مجھے بتا تجھے آخر ہوا ہے کیا

تمثیلۂ شب ہوا ہے جو رنگ لباس روح
الزام میری ذات پہ اس نے دھرا ہے کیا

سنتے ہیں نوائے دل ، کہتے ہیں سخن پارہ
آنکھیں ہوئیں افسانہ ، عارض پہ نہیں غازہ

عشاق کی محفل میں ، وہ ذوق کہاں باقی
نہ جام و سبو کوئی ، نہ پاس ہے کچھ بادہ

نہ عیش و طرب کوئی ، نہ دولتِ شہ کوئی
بیگانے ہیں دنیا سے ، رہتے ہیں سدا سادہ

انصاف کی مسند پر ، سنتا ہی نہیں منصف
اب کس سے مدد مانگے ، دل بے بس و بے چارہ

ہم دونوں کے آپس میں ، سنجوگ نہیں بنتے
میں عام سی باشندہ , تو لاڈلا شہزادہ

تمثیلہ نے حالت کو ، اشعار میں ڈھالا ہے
لگتی ہے غزل جیسے ، حسرت کا ہو خمیازہ

ساری بستی کو یہ عادل کے سوا ، معلوم ہے
لاش تک کو ، اب تو قاتل کا کھُرا معلوم ہے

کتنا درد انگیز ہے یہ سانحہ معلوم ہے
اب بھی سینے میں مچی ہے کربلا ، معلوم ہے

ہاتھیوں کی ایسی بربادی ابابیلوں نے کی
اب نہ پیدا ہو گا کوئی ابرہہ ، معلوم ہے

لاکھ ہو دریا کی گہرائی نگاہوں میں مگر
کیا مری چاہت کی تجھ کو انتہا معلوم ہے

دن میں سو سو بار اٹھنے والی آنکھوں کو تو اب
تیرے گھر سے میرے گھر کا فاصلہ معلوم ہے

دیکھ کر منظر بچھڑنے کا مری آنکھوں میں رات
کس قدر رویا تھا عکسِ آئنہ ، معلوم ہے

بعد مدت کے اچانک تجھ سے ملنے کا خیال
دل میں تمثیلہ کسی دن آئے گا معلوم ہے

میں اسکے دل میں۔۔۔۔

الٰہی، میں نے ترے حکم سے بغاوت کی
جو ایک شخص سے یوں ٹوٹ کر محبت کی
وہ ہے ہی ایسا
کہ دیکھو تو پیار آجائے
نظر ملائے ادھر
اور دل کو بھا جائے
کہ جس کی یاد
تصور کو میرے مہکائے
وہ مسکرائے تو صحرا میں پھول رُت آجائے
مرے خدا مری تجھ سے یہی گزارش ہے

میں اس کے دل میں رہوں
دل میں اتنی خواہش ہے
جہاں بھی جائے سرِ شام لوٹ کر آئے
بس اُس کا ساتھ جو میرے نصیب میں لکھ دے
ہزار ہا کروں سجدے میں روبرو تیرے۔۔۔۔

بے نوا تھا مگر وہ نوا دے گیا
ہو کے سورج وہ دن دھند سا دے گیا

پیار ، الفت کی جو بات کرتا تھا کل
آج کیونکر مجھے وہ دغا دے گیا

ہجر میں اسکے ہر پل تڑپتی رہوں
عمر بھر کی مجھے وہ سزا دے گیا

اپنے جب ، بد دعا دے رہے تھے مجھے
ایک انجان آ کر دعا دے گیا

کون تھا جس کو دنیا کی پروا نہ تھی
کون تنہائی میں آسرا دے گیا

پیار بھی اتنا بخشا ، بُھلا نہ سکوں
روگ بھی وہ مجھے لا دوا دے گیا

جس سے موت آئی ہے ، اور نہ زندہ بچی
تجھ کو ایسا وہ تمثیلہ ! کیا دے گیا

دیکھ کر حسن کا معیار بہت بولتے ہیں
آج کل خاکِ خریدار بہت بولتے ہیں

شام ہوتے ہی پرندوں کی صدا گونجتی ہے
رات ہوتے ہی یہ اشجار بہت بولتے ہیں

ان غریبوں کے لیے کام تو کچھ کرتے نہیں
یوں تو ممبر پہ یہ سردار بہت بولتے ہیں

میرے حالات پہ افسردہ ہیں نادان سبھی
میرے بارے میں سمجھدار بہت بولتے ہیں

یُوں مری بات مکمل نہیں ہو سکتی کبھی
بیچ میں تیرے طرف دار بہت بولتے ہیں

بس یہی بات تو اب شاہ کو لگتی ہے بُری
اپنے حق میں یہ گنہگار بہت بولتے ہیں

خامشی اوڑ کے بیٹھی ہوں میں تمثیلہ مگر
میں تو چُپ ہوں در و دیوار بہت بولتے ہیں

محبت میں کوئی تو معجزہ یارب ، دکھانا تھا
جو مجھ سے دور ہو بیٹھا ، اسے نزدیک لانا تھا

ہے دل میں اس قدر نفرت ، بغاوت اور عداوت کیوں
بھری محفل میں کیوں مجھ کو ہی نظروں سے گِرانا تھا

اگرچہ جانتی تھی خوب ، وہ بے زار ہے مجھ سے
کہا کیوں رازِ دل آخر اسے ، میں نے چھپانا تھا

وہ جن لمحات میں دنیا سے ہم چھپ کر ملا کرتے
وہ راتیں بھی سہانی تھیں ، وہ موسم بھی سہانا تھا

میں تجھ کو دور جانے ہی نہیں دیتی کبھی خود سے
اگر معلوم ہوجاتا ، تجھے اُس دن گنوانا تھا

تجھے احساس میرا ، مجھ کو دفناتے ہوئے ہو گا
سہا ہر تیر سینے پر جو تیری سمت آنا تھا

میں تمثیلہ کو سمجھاتی رہی مت لوٹ کر جاؤ
وہ کوہِ قاف سے آئی تھی آخر ، لوٹ جانا تھا

کھو چکا ہے جب سے تُو شاہین ! پندارِ خودی
مٹ چکا ہے تب سے تجھ میں امتیازِ زندگی

نام کا مسلم ہے تو اور کام کافر سے ترے
سامریّت چال میں ، اپنائے پیشہ آزری

کیوں نہیں کرتا پلٹ کر وار پسپائی کے بعد
تجھ پہ سجتے ہی نہیں ہیں اضطراب و بے کلی

شہر خیبر منتظر ہے فتح کا ، پھر ایک بار
دیکھنے بےچین ہے پھر قوم ، ضربِ حیدری

بندہِ تہذیبِ مغرب ، کاہل و ناکارہ سن !
جراتیں اجداد کی لے ، چھوڑ دے یہ بزدلی

کیسے لرزیں گے ، تری دہشت سے ایوانِ عدو
دین سے ہے بَیر تجھ کو ، رب سے ہے بیگانگی

تجھ کو بھا جائے تری مرضی ہے تمثیلہ ، مگر
مجھ کو تو بھایا نہیں ہے یہ نظامِ کافری

بہت کھٹکتی ہے ہم کو اجی! کھٹکتی ہے
چلے بھی آؤ تمہاری کمی کھٹکتی ہے

میں جان بوجھ کے خود کو اداس رکھتی ہوں
تمام شہر کو میری خوشی کھٹکتی ہے

کبھی کبھی تو مجھے بخشتی ہے سرشاری
کبھی کبھی تو مجھے شاعری کھٹکتی ہے

دکھائی دیتا نہیں چاند بھی اُنھیں اپنا
مرے دیے کی جنھیں روشنی کھٹکتی ہے

بھری ہے رنج سے اکیسویں صدی یارو
اسی لیے تو مجھے یہ صدی کھٹکتی ہے

میں تیری یاد کی تمثیلہ ہو گئی عادی
کہ اب مجھے تری موجودگی کھٹکتی ہے

ہر وقت مری خاک کو مرنے کی پڑی ہے
اک پھول ہے اور اُس کو بکھرنے کی پڑی ہے

دنیا میں محبت کے علاوہ بھی ہیں کچھ کام
اور تجھ کو فقط پیار ہی کرنے کی پڑی ہے

ہے تم سے بچھڑنے کا ارادہ کسے کرنا
اشکوں سے یہ دامن کسے بھرنے کی پڑی ہے

رنگ روپ ترے لمس کی حدّت سے ملے گا
مٹی کو فقط آج نکھرنے کی پڑی ہے

اب تک نہیں بھولا وہ جوانی کا زمانہ
اس عمر میں بھی تجھ کو سنورنے کی پڑی ہے

تمثیلہ تجھے کارِ محبت سے نہیں کام
اچھا ہے کہ اب تجھ کو سدھرنے کی پڑی ہے

تھی اِدھر چشمِ نمیدہ ، اک مجسم داستاں
سانس اُدھر میرا عدو ، اور زندگی تھی امتحاں

تیرے بنگلے سے بڑا ہے میرا گھر، میرا مکاں
آسماں ہے شامیانہ ، اور زمیں گلشن نشاں

کون ہے اس باغ کی خاطر پریشاں اب یہاں
کس کو گلچیں مان لوں ، اور کس کو سمجھوں باغباں

اس طرح پھینکے تھے نیزے ، ظالموں نے شاہ پر
جسم جیسے چھلنی چھلنی ، برچھیوں کے درمیاں

کس طرح ہو کر اسیر آئے تھے یوسف ، مصر میں
اور کس نے کاٹ لی تھیں ، پھل کے بدلے انگلیاں

تم تو کہتے تھے کہ میرے دل سے واقف ہو مگر
بد گمانی کی ہے کیسے درمیاں میں داستاں

دل یہ کہتا ہے کہ پھر گُل چاہتوں کے کھل اٹھیں
پھول پر منڈلائیں پھر سے منچلی سی تتلیاں

دور ، تم سے جو ہو رہی ہوں میں
اِس جدائی پہ رو رہی ہوں میں

تاکہ ، دیکھے نہ چشمِ نم کوئی
اپنے چہرے کو دھو رہی ہوں میں

ایک گٹھڑی ہے تیری یادوں کی
دل پہ اک بوجھ ، ڈھو رہی ہوں میں

چھوڑ جاؤ گے تم ، میں سمجھوں گی
خواب دیکھا ہے ، سو رہی ہوں میں

فصل کاٹوں گی تیری قربت کی
بیج الفت کے بو رہی ہوں میں

اوس میں چاہتوں کی ، اِس موسم
دل کا دامن بھگو رہی ہوں میں

جو ہے تمثیلہ ! میری آنکھوں میں
اس کو دل میں سمو رہی ہوں میں

خواب زاروں میں کبھی چھوڑ آئیں ماں کی لوریاں
جاگی آنکھوں کو غنودہ کر رہی ہیں تھپکیاں

قربتوں میں جب بدل جانے لگی ہیں دوریاں
پھر ہری ہونے لگی ہیں چاہتوں کی ٹہنیاں

دور پربت سے اتر کر چھاگئی ہیں بدلیاں
کیوں ہوائیں لے کے اُڑ جانے لگی ہیں چُنریاں

ہوگیا بوجھل اچانک دل ، گلا بھی رُندھ گیا
جب شجر کو یاد آئیں پنچھیوں کی بولیاں

عصمتیں بھی جن گے آگے ہیچ لگتی ہیں کبھی
بھوک جب بے چین کر جاتی ہیں اکثر روٹیاں

بھوک پھر رسی پہ چلوائے گی مفلس کو اُدھر
اور اِدھر کچھ دیر پھر بجنے لگیں گی تالیاں

کیسے ، من مانی سے وہ باز آئے تمثیلہ بھلا !
چاہے لاکھ انکار سے ہِلنے لگی ہوں بالیاں

تجھ سے پیغام رسانی کا وسیلہ تو نہ تھا
دل مرا ، پھر بھی رہِ عشق میں تنہا تو نہ تھا

کن امیدوں پہ میں اس موڑ پہ بیٹھی رہتی
تو نے اک بار بھی ، مڑ کر مجھے دیکھا تو نہ تھا

اس قدر لمبی مسافت جو پڑی قدموں میں
تیری دنیا تھی ، مرا خواب جزیرہ تو نہ تھا

اس کڑی دھوپ میں ستائے بھی کیسے کوئی
دشت میں حدِّ نظر تک کہیں سایہ تو نہ تھا

ذہن میں نقش ہے تب بھی ، تری یادوں کی مہک
گو نگاہوں میں بہت دیر تُو ٹھہرا تو نہ تھا

اتفاقاً ہی ملاقات تھی اپنی شاید
کاتبِ بخت نے تجھ کو ، مرا لکھا تو نہ تھا

شاخ ، تمثیلہ اگر کاٹنی لازم ہے تو دیکھ !
اُس پہ پنچھی کا کوئی رین بسیرا تو نہ تھا

کچھ تو تعبیر ، خواب سے نکلے
جیسے پانی سراب سے نکلے

وہ مرے دل سے یوں ہوا رخصت
جیسے خوشبو گلاب سے نکلے

اب محبت کبھی نہیں کرنی
بس مری جاں عذاب سے نکلے

اپنی کٹیا ہمیں حسین لگی
جب بھی محلوں کے خواب سے نکلے

تیری فرقت کے جھیلنے صدمے
کون سحر شراب سے نکلے

جب بھی جھانکے وہ اوٹ سے تو لگے
چاند گویا سحاب سے نکلے

دل لبھاتی ہے جادوئی قندیل
روشنی جب حُباب سے نکلے

سوز تھوڑا ہے میرے شعروں میں
تھوڑا ، تیرے رباب سے نکلے !

وہ بھی اب بے جھجک ہے تمثیلہ !
کاش تو بھی حجاب سے نکلے

تو جہاں چھوڑ کر گیا اے دوست
ہے وہی آج بھی پتہ اے دوست

دل سے نکلی ہے یہ دعا اے دوست !
شکریہ ڈھیر ، آپ کا اے دوست !

ذکر چِھڑتا ہے پیاس کا جب بھی
یاد آتی ہے کربلا ، اے دوست

دل سے جب ، دل ہی مل نہیں پایا
بے سبب ہاتھ مت ملا ، اے دوست

چشمِ پر نم بھی خشک ہونے لگی
اور کہنے کو کیا بچا اے دوست

دھڑکنیں سست ہونے لگتی ہیں
اس قدر یاد تو نہ آ ، اے دوست

چاہے جتنے گناہ ہوں سر زد
بخش دے گا مرا خدا ، اے دوست

چل پڑا تجھ سے دل لگانے کا
ایک دلچسپ سلسلہ ، اے دوست

رنج ، بے انتہا تھے تمثیلہ !
بھول بیٹھے ہم ابتدا ، اے دوست

زخم ، گزرے ہوئے موسم کا پتہ دیتے ہیں
نقش پیَروں کے تو دشمن کا کُھرا دیتے ہیں

یاد رکھنا کہ سیاست کے ہیں جو بازی گر
جَل میں امرت کے بھی یہ زہر ملا دیتے ہیں

سحر انگیز مناظر کا فسوں ہے ، مڑ کر
دیکھنے والے کو پتھر کا بنا دیتے ہیں

مصلحت کوشی کے سفاک تقاضے اکثر
سچ کے ہونٹوں پہ بڑا قفل لگا دیتے ہیں

وقت و حالات کی سازش میں ملوث ، لمحے
پھول سے جسموں کو مٹی میں ملا دیتے ہیں

خود پرستی کے لبادوں کی یہ فطرت ہے قدیم
پل میں انسان کو حیوان بنا دیتے ہیں

یہ غلط فہمی کے انداز ہیں جو تمثیلہ !
بیچ کے فاصلے کچھ اور بڑھا دیتے ہیں

ہم سے یہ درد بھری عمر گزاری نہ گئی
ذہن سے یاد کی بستی بھی اجاڑی نہ گئی

دھار کر ، روپ نئی گونجوں کا لَوٹ آئی ہے
وہ صدا جس میں ترا نام تھا خالی نہ گئی

بعد مدت کے ، لکھے نام مٹے پیڑوں سے
دل کی دیوار سے تصویر اتاری نہ گئی

کرکے ماتم ہوئے خاموش سبھی خواب و خیال
ایک حسرت جسے کہتے ہیں رودالی ، نہ گئی

جگمگاتے رہے جگنو تری یادوں کے بہت
خانۂ دل سے مگر ، رات یہ کالی نہ گئی

دستیاب آج ہے ہر چیز تجھے ، اُس کے سوا
پھر بھی عادت وہ تری مانگنے والی ، نہ گئی

اشک ، گو آنکھوں سے بہتے نہیں پر تمثیلہ !
راتوں کو رونے کی عادت وہ پرانی نہ گئی

قدموں میں راستہ ہے تو روڑا بھی آئے گا
ہو فکر مند ذہن ، تو خدشہ بھی آئے گا

لگتا ہے ، رائیگاں نہیں ہوں گے مذاکرات
بدلے میں کوششوں کے ، نتیجہ بھی آئے گا

بے وجہ آنکھ یونہی پھڑکتی نہیں کبھی
پردیس سے کسی کا سندیسہ بھی آئے گا

کشتی ، بھنور میں آ کے شکستہ ضرور ہے
طوفان تھم گیا تو کنارا بھی آئے گا

ان رت جگوں سے ، ہوگئی بے رنگ زندگی
آنکھوں میں نیند ہو گی تو سپنا بھی آئے گا

عسرت کے بعد ، راحتیں دیتی ہیں دستکیں
راتوں کی کوکھ ہی سے سویرا بھی آئے گا

تمثیلہ ، اک ذرا یہ دلاسہ بھی دل کو دے
خوشبو بکھر رہی ہے تو بھونرا بھی آئے گا

دل کو مایوسیوں نے گھیرا تھا
جب تجھے ہاتھ اٹھا کے مانگا تھا

بھولنے میں لگے جسے برسوں
رات ، شدت سے یاد آیا تھا

روشنی پھوٹتی تھی پلکوں سے
جب نگاہوں میں اس کا چہرہ تھا

ذہن میں کہکشائیں اتری تھیں
جب اسے پہلی بار دیکھا تھا

ایسے چپ چاپ گاؤں چھوڑ گیا
چاہتوں کا یہی تقاضا تھا ؟

شام اتر آئی ہے پہاڑوں سے
اب تو کونجوں نے لوٹ آنا تھا

رات میں کیوں گھٹن ہے تمثیلہ !
دن کا سورج تو روح افزا تھا

یہ ، اناؤں کا مسئلہ ہی نہیں
بس ، وہ پہلا سا رابطہ ہی نہیں

نام جس کا نہیں ، وہ رِشتہ کیا
ایسی گتّھی کا کچھ سِرا ہی نہیں

دل کو جنگوں سے جیتنے والے
تجھ کو چاہت کا کچھ پتہ ہی نہیں

کیا بتاؤں ، کہ تجھ سے پہلے کبھی
من ، کسی در پہ یوں جھکا ہی نہیں

اپنے دکھ کس سے بانٹتا ہے وہ اب
ایسی سوچوں کا فائدہ ہی نہیں

دلِ برباد ! پھر ، اُسی کے خواب
تجھ کو اندیشہِ تباہی نہیں؟

بات کرتے ہوئے ، وہ تمثیلہ !
میری آنکھوں میں جھانکتا ہی نہیں

جملہ کوئی ایک اس کا، جب شعر میں ڈھلتا ہے
الفاظ ہمکتے ہیں ، لہجہ بھی مچلتا ہے

عُقدہ نہ کُھلا اب تک ، اس بختِ رمیدہ کا
پھولوں سا بدن آخر، کیوں خاک میں رُلتا ہے

ہر چیز میسر ہے بیٹوں کو تونگر کے
مفلس کا مگر بچہ ، وعدوں سے بہلتا ہے

کیوں اوج پہ نازاں ہے ، سن شام کا آوازہ
کیا سطوت و ثروت کا سورج نہیں ڈھلتا ہے ؟

اوراقِ شجر گیلے ، شعلوں میں دھواں دیں گے
دل سوختہ کاغذ اک ، نم ہو کے بھی جلتا ہے

قدرت کی عنایت ہے تدبیرِ تحفظ بھی
اک پھول جو کانٹوں کی آغوش میں کِھلتا ہے

کیا شوق ہے تمثیلہ ! مجھ جیسے مسافر کا
منزل کی تمنا میں ، جو نیند میں چلتا ہے

بھولی بھالی چاہت

فرقتوں میں راتوں کو
ایسے کون روتا ہے

کم سنی میں چاہت کا
دکھ شدید ہوتا ہے

آرزو کا سینے میں
اک ہجوم ہوتا ہے

جانے ان عذابوں میں
کوئی کیسے سوتا ہے

لمحہ لمحہ رہ رہ کر
کوئی یاد آتا ہے

دو گھڑی کی چھیڑوں سے
یار روٹھ جاتا ہے

بادلوں کی چادر میں
چاند مسکراتا ہے

انگلیاں خیالوں کی
چھیڑتی ہیں پایل کو

کیسے روک سکتے ہیں
کوکنے سے ، کویل کو

دیر رات تک کوئی
نانسری سی بجتی ہے

کون شام سے پہلے
میرے جیسی سجتی ہے

مجھ سی شوخ الہڑ کیوں
ساری شب مچلتی ہے

چاندنی بھی چادر پر
کروٹیں بدلتی ہے

دور دیس میں ساجن !
کیا میں یاد آتی ہوں

تم کو روز سپنوں میں
اپنے پاس پاتی ہوں

اس بھری جوانی میں
ہجر رُت کٹے کیسے

اپنے بیچ کی دوری
جانے اب مٹے کیسے

سارے خوشنما منظر
ساتھ ساتھ چلتے تھے

پیار کی قسم تم کو
میرے پاس آ جاؤ

لوٹ کر جب آنا تم
پھر کبھی نہ جانا تم

بھولی بھالی چاہت کو
ایسے مت بھلانا تم

کہیں دھندلے نہ ہو جائیں تمہارے عکس خوابوں میں
مری آنکھیں غنودہ ، نیند کو اکثر بلاتی ہیں
سماعت آج کل درد آشنا لگتی نہیں ورنہ
تمھیں یہ سلوٹیں چادر کی رو رو کر بلاتی ہیں

دیدار پہ دل ہوگا نہ تیار ، لگی شرط
ملنے کو کرے گا ابھی اصرار ، لگی شرط

ساجھے نہیں ہوتے ہیں جو ، اب گھر میں کھلونے
آنگن میں بھی اٹھ جائے گی دیوار ، لگی شرط

لے آتا ہے بازار سے ، اکثر وہ دوپٹے
چاہت میں بدل جائے گی تکرار ، لگی شرط

پربت سے اتر آئے ہیں ، یوں ابر کے لشکر
برسات کے لگنے لگے آثار ، لگی شرط

اشعار میں اب اسُ کی چھبی آنے لگی ہے
ہوجائیں گی غزلیں مری شہکار ، لگی شرط

اچھی نہیں لگتی ہے مری ہار اسے ، اب
وہ پیچ لڑائے گا نہ اِس بار ، لگی شرط

اب ڈوبنے دے گا نہ سفینہ مرا ہرگز
بازوؤں کو کر لے گا وہ پتوار ، لگی شرط

کر لیتا ہے تمثیلہ ! وہ من مانی پہ ، سر خم
لے جائے گا کل ساتھ ہی بازار ، لگی شرط

عجب خیال یہ مجھ کو سجھائی دیتا ہے
ہر ایک پھول میں دلبر دکھائی دیتا ہے

اگرچہ گھر مرا سنسان ہے مگر مجھ کو
تمھارا لہجہ ہمیشہ سنائی دیتا ہے

یہ ماہ و انجم و صحرا یہ دشت و کوہ سمیت
تمھارے آنے پہ گلشن بدھائی دیتا ہے

یہ امتحاں تری چارہ گری کا ہے کہ مجھے
تو زہر دیتا ہے یا پھر دوائی دیتا ہے

یہ فیصلے تو ہیں قدرت کی کار سازی کے
کسی کو تخت ، کسی کو گدائی دیتا ہے

وہ ' لا مکاں ' ہے مگر ہر نَفَس میں ہے موجود
جو با شعور ہیں ، ان کو دکھائی دیتا ہے

فتنہ سامانیوں میں پیکر کی
اسلحہ سازیاں ہیں آذر کی

قبر میں بھی زمیں ہے پتھریلی
دیکھ لیں سختیاں مقدر کی

اپنے ماضی کو بھول کر ہم لوگ
ٹھوکریں کھا رہے ہیں در در کی

خوش رہے گا بچھڑ کے بھی مجھ سے
کھا کے کہہ دے، قسم مرے سر کی

بات بس اطمینانِ قلب کی ہے
کیا ضرورت ہے ، نرم بستر کی

میری بےچینیوں کی شاہد ہیں
سلوٹیں دیکھ آکے چادر کی

دیکھ کر اس کا لہجہ ، تمثیلہ
سختیاں یاد آئیں ، پتھر کی

ایک مدت سے میں مسکرائی نہیں
میری خوشیوں سے جب دل رُبائی نہیں

اس لئے ان کو شک ہے کہ ناراض ہوں
کوئی شکوہ زباں پر ، میں لائی نہیں

تو جو چاہے تو کر لے جدا اپنی راہ
میں نے کچھ قید تجھ پر ، لگائی نہیں

شادمانی ، مسرت کے لکھتی ہوں گیت
گرچہ خوشیوں سے کچھ آشنائی نہیں

پیار مجھ سے بھی ، الفت ہے اوروں سے بھی
کیا کہوں ، یہ اگر بے وفائی نہیں؟

مال ، راہِ خدا میں لٹاتی رہی
پھوٹی کوڑی بھی گھر میں بچائی نہیں

جس میں ظالم کو من مانیوں کی ہو چھوٹ
مجھ کو منظور ، ایسی خدائی نہیں

میں تھی ، بال اپنے جوڑے میں باندھے ہوئے
پھر بھی سر کش ہوَا ، باز آئی نہیں

جانے کب سے ہے ، دنیا مری منتظر
ایسی دنیا ، جو میں نے بسائی نہیں

تو ہے تمثیلہ ! خوش ظرف خاموش سی
آہ و زاری نہیں ، لب کشائی نہیں

بیٹھے بٹھائے جانے یہ کیا ہوگیا مجھے
کل آئنے میں عکس جو دھندلا لگا مجھے

احساس اس طرح کا ہوا بار ہا مجھے
دیتا ہے کوئی دور سے جیسے صدا مجھے

دیکھا جو مڑ کے ، سارے مناظر لگے سراب
منزل ملی تو بھول گیا راستہ مجھے

آتا نہیں ہو ، چہرہ شناسی کا فن اگر
ناول کی طرح طاق پہ رکھ ، بھول جا مجھے

چاہت پہ اختیار کسی کا نہ ہے ، نہ تھا
میں کیا کروں ، تُو اوروں سے اچھا لگا مجھے

محفوظ دل میں ہے مرے ، خوشبو سا ایک پل
جب تجھ پہ پیار آیا تھا ، بے انتہا مجھے

تمثیلہ ، اس قدر تھے شدید آرزو کے بیَن
ہر ماہ جیسے ماہِ محرّم لگا مجھے

بس گئیں آنکھوں میں آنکھیں اُس کی
کیسے تصویر بنائیں اُس کی

رات کو ، مانگی دعائیں میری
لیتی جاتی ہیں بلائیں اس کی

شہد کھولیں گی سدا کانوں میں
گونج بن بن کے صدائیں اُس کی

بھیگ کر آئے گی بیٹی پھر سے
آپ ، ہمت نہ بڑھائیں اس کی

اب کے سوچا ہے چلو سالگرہ
ساتھ مل جل کے منائیں اس کی

اک معافی کے عوض ، سوچتی ہوں
بخش دوں ساری خطائیں اس کی

حسنِ سیرت میں ہے کامل اتنا
لوگ ، دیتے ہیں مثالیں اس کی

اک تحفظ کا دلائیں احساس
مہرباں ، آہنی بانہیں اس کی

اُس کو کیوں جانے دیا تمثیلہ !
اب رہو تاکتی راہیں اس کی !

حالِ دل شعر میں لاتے ہوئے رو پڑتی ہوں
تیری تصویر بناتے ہوئے رو پڑتی ہوں

باندھ رکھا ہے تری یاد کے پہلو سے یہ دل
دشت میں ریت اڑاتے ہوئے رو پڑتی ہوں

اب تو کہتی ہوں تعلق ہی نہیں تجھ سے مرا
اب تو یہ راز چھپاتے ہوئے رو پڑتی ہوں

دل کی حالت کسی بچے کی طرح ہوتی ہے
آسماں سر پہ اٹھاتے ہوئے رو پڑتی ہوں

کتنے شعروں میں تراشہ تھا تجھے اپنے لیے
کتنی غزلوں کو جلاتے ہوئے رو پڑتی ہوں

تیری قسمت کا ستارہ تھا ہتھیلی میں مری
اب لکیروں کو ملاتے ہوئے رو پڑتی ہوں

پہلے لکھتی ہوں میں تمثیلہ کوئی وصل کا خواب
اور پھر نامِ محبت کو مٹاتے ہوئے رو پڑتی ہو

اب طاقچے کو دیپ کی خواہش نہیں رہی
آنکھوں میں سوز، دل میں بھی آتش نہیں رہی

افسوس ، ہم کو بھول گیا فرضِ منصبی
کارِ گناہ پر کوئی بندش نہیں رہی

کارِ جہاں میں ہوگئے مصروف تم بھی جب
اب فرقتوں سے ہم کو بھی رنجش نہیں رہی

کیا کوزہ گر سے ہو کسی تخلیق کی اُمید
مٹی پہ ہاتھ ، چاک میں گردش نہیں رہی

اوڑھی ہے ہم نے جب سے ردائے منافقت
دشمن کو اب ضروتِ سازش نہیں رہی

دیکھا ہے پنچھیوں کو شکم سیر لَوٹتے
درویش ہوں ، امیدِ نوازش نہیں رہی

یوں کس طرح گمانِ نتیجہ بخیر ہو
جذبوں میں ہی جو شدتِ کوشش نہیں رہی

پہنچے درِ قبول کو تمثیلہ کیسے عرض
دستِ دعا میں ویسی گزارش نہیں رہی

ظلم یوں حدِّ انتہا نہ بنے
بد دعا کوئی سانحہ نہ بنے

رِستے ناسور بھی نہ ہوں ابتر
کوئی حسرت بھی آبلہ نہ بنے

اتنی جرأت نہیں ہے دل کی کہ اب
شوخ نظروں کا پھر نشانہ بنے

اس کو پرکار کیسے مان لیں جو
گھوم جائے تو دائرہ نہ بنے

ایسی یک طرفگی کا کیا حاصل
تو ہو اسکی کہ جو ترا نہ بنے

ناگہانی اسی کو کہتے ہیں جو
بے سبب موت کا بہانہ بنے

التجا کی ہے یہ شناخت ، کہ وہ
لب پر آتے ہوئے گلہ نہ بنے

میری آواز دشت میں بھٹکے
وہ اگر میرا ہم نوا نہ بنے

نیند آئے ، تو ڈر ہے تمثیلہ !
پھر وہ خوابوں کا سلسلہ نہ بنے

کوئی میرا بھی ہوتا جو کبھی کوئی دعا دیتا
یا پھر احسان یہ کرتا مجھے جامِ قضا دیتا

کہاں ڈھونڈوں میں وہ رہبر دکھا کر جو مجھے رستہ
مٹا دیتا مرے غم کو مجھے رب سے ملا دیتا

خدا سے لو لگاتی تو عطا ہ ہوتا مجھے سب کچھ
پڑا تھا واسطہ بندے سے بندہ مجھ کو کیا دیتا

کوئی ایسا تو ہوتا جس سے کرتی دل کی باتیں میں
کوئی ایسا تو ہوتا جو مجھے اپنی نوا دیتا

سبق سب نے پڑھایا ہے مجھے تو بے وفائی کا
کوئی پاسِ وفا رکھتا کوئی درسِ وفا دیتا

چھپاتا ہے مرے عصیاں خدا کا ظرف بھی دیکھو
بشر کوئی خدا ہوتا یقیناً وہ سزا دیتا

یقیناً بے خبر تھا مجھ سے تمثیلہ وگرنہ وہ
اگر پہچانتا مجھ کو تو کیا ایسے گنوا دیتا

ادبی و تخلیقی اثاثے

دشت میں دیپ جلے	اُردو شعری مجموعہ	2016ء
اشکِ تمنا	اُردو شعری مجموعہ	2020 ء
ممتازِ سُخن ور	تحقیق	2020 ء
کیفِ غم	اُردو شعری مجموعہ	2024 ء
کوئی ہم سفر نہیں	اُردو شعری مجموعہ	2026 ء
سلوٹیں چادر کی	اُردو شعری مجموعہ	2027 ء

کتاب کا یہ سفر یہاں اختتام کو پہنچتا ہے، مگر اصل سفر تو قاری کے دل و دماغ میں شروع ہوتا ہے۔

ہمارا یقین ہے کہ کتاب محض کاغذ پر چھپے لفظ نہیں، بلکہ روشنی ہے، رہنمائی ہے اور آنے والے کل کے لیے ایک امید ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ روشنی آپ کے ہاتھوں سے آگے بڑھے، آپ کے گھر سے نکل کر معاشرے تک پہنچے، اور پھر آنے والی نسلوں کے دلوں کو منور کرے۔

کتابیں وہ آئینہ ہیں جو ہمیں اپنی حقیقت دکھاتی ہیں اور وہ چراغ ہیں جو ہمیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتے ہیں۔

اگر یہ کتاب آپ کے دل کو چھو گئی ہے، تو اس پیغام کو آگے بڑھائیں، کیونکہ علم بانٹنے سے بڑھتا ہے اور محبت تقسیم کرنے سے پھیلتی ہے۔

ادب سماج انسانیت پبلی کیشنز کا مقصد صرف کتابیں شائع کرنا نہیں، بلکہ ایک ایسا سماج تشکیل دینا ہے جہاں ادب، علم اور انسانیت کی خوشبو ہر دل میں اترے۔

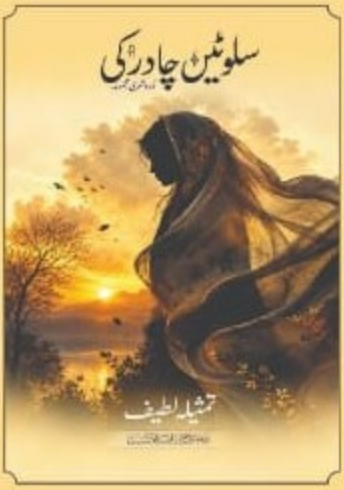

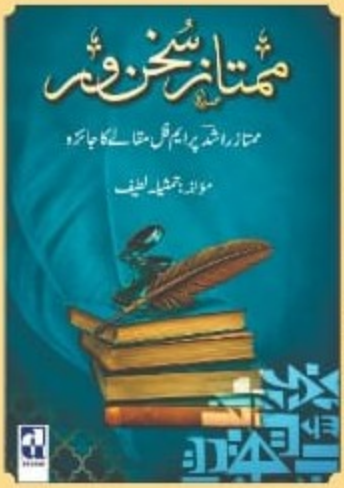

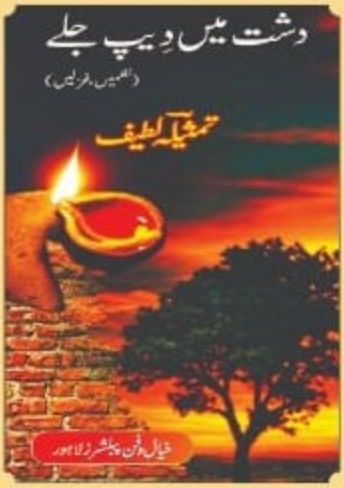

ادب سماج انسانیت پبلی کیشنز

Rs: 1200

9 786275 240426

کمیٹی چوک مری روڈ راول پنڈی 051-5184707 0312-5400326